

عمل

آج کل قدرے فراغت ہے۔ باہر آنا جانا موقوف ہے۔ وباء ہر ایک کے سامنے موت کے پر پھیلائے کھڑی ہے۔ بہر حال اختیاط لازم ہے۔ سائنسی تحقیق نے جو باتیں بتائی ہیں، انکو اپنا کر بڑی آسانی سے موجودہ وباء یعنی کرونا سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ایک مسئلہ اور بھی ہے۔ اس پر پہلے کبھی شدت سے غور نہیں کر پایا۔ تمام دن والٹ ایپ (Whatsapp) پر آن گنت و طائف، دعائیں اور فرمودات موصول ہوتے رہتے ہیں، جو صحیحے والوں کے نزدیک آپکو کرونا یا کسی بھی وباء سے محفوظ کر دینگے۔ آج کل وقت میسر ہے۔ اسلیے جب اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کے عروج کے معاملات پڑھنے شروع کیے، تو آنکھیں چندھیا گئیں۔ آج سے آٹھ سو یا ہزار سال برس مسلمان تو مکمل طور پر تدبیر کے قائل تھے۔ اس زمانے کے جنگی اور سماجی علوم کے ذریعے مسائل کو حل کرتے تھے۔ مگر جدید ترین علوم کو بروئے کار لانے کے بعد، قدیم و قتوں کے مسلمانوں نے ہرگز ہرگز نہیں کیا کہ کسی بھی بڑی مہم یا جنگ یا کسی بھی اہم معاہلے کو صرف دعاؤں یا وظائف سے حل کرنے کی کوشش کی ہو۔ اسی دورانیہ یعنی آٹھ سو یا ہزار سال قبل، مسلمانوں کی مخالف قومیں اپنے مذاہب کے حساب سے عمل کی بجائے صرف دعا پر انحصار کرتی تھیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو قدرت کے قوانین کے عین مطابق تھا۔ مسلمان ہر میدان میں سرخ روٹھرے۔ انکی جدو جہد اس قدر جامع تھی کہ دنیا کے بادشاہ بن گئے۔ اسلام دنیا کے کونے کونے میں پھیل گیا۔ دعا کی اہمیت سے انکا مرکن نہیں۔ مگر عمل کے بھرپور استعمال کے بعد دعا کا رگر ہو پاتی ہے۔ اسلیے بھی کہ یہ دنیا دراصل اسباب اور شدید محنت کی دنیا ہے۔ مگر اب معاملہ مکمل طور پر اُٹ ہو چکا ہے۔ مسلمان عمل سے کسوں دور ہیں اور تقید، وظائف اور محض دعاؤں سے اپنے حالات درست کرنے کی کوشش میں مشغول ہیں۔ اسکے بالکل برعکس، دیگر مذاہب کے لوگوں نے عمل کی شمشیر سے ہر مسئلہ کو خیر کر ڈالا ہے۔ ایک ہزار سال بعد معاملہ بالکل پلٹ چکا ہے۔ مسلمان، انکی جگہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہماری متحارب قوموں نے، ہمارے پرانے اسلوب اپنالیے ہیں۔ میرا، مقصد ہرگز ہرگز دعا سے دوری کا نہیں ہے۔ عرض صرف اتنی ہے کہ کسی بھی معاہلے کو حل کرنے کیلئے علم، دلیل، تحقیق اور عملی جدو جہد کو وظیرہ بنائیں۔ پھر دعا کا سہارا لیجئے۔ دنیا پہلے کی طرح آپکے قدموں میں ہوگی۔

دعا اور جدو جہد کے متعلق جس بہادری، جرات اور علیمت سے ہمارے ہی زمانے کے ایک عالم دین اور سیاستدان یعنی ابوالکلام آزاد نے بحث کی ہے، کم از کم پہلے میری نظر سے نہیں گزری۔ ابوالکلام آزاد کے سیاسی خیالات اپنی جگہ۔ ذاتی طور پر ان سے متفق نہیں۔ مگر دین، تاریخ، فلسفہ اور فقہ پر انکی گہری نظر سے قطعاً و گردانی نہیں کی جاسکتی۔ انکی لکھی گئی کتاب ”غبار خاطر“، ایک نایاب اور بہترین کتاب ہے۔ جسکا ایک ایک لفظ اسلام سے محبت اور آقا کی ذات سے عشق میں گندھا ہوا ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ کہ غبار خاطر ایک دینی عالم نے تحقیق اور ذاتی تجربات کی روشنی میں قلم بند کی ہے۔ کمال لکھی گئی ہے۔ طالع، اس کتاب سے تین واقعات آپکی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ تا کہ آپ کو اندازہ ہو کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان اپنی سوچ اور عمل میں کتنے جدید تھے۔ اور پھر کس طرح وہ مکمل طور پر عمل کی دنیا سے نکل گئے۔ اور پھر مکمل طور پر ترقی یافتہ قوموں کی غلامی میں آگئے۔ آزاد لکھتے ہیں۔

”صلیبی جہاد نے ازمنہ وسطیٰ کے یورپ کو مشرق وسطیٰ کے دو شہر کھڑا کر دیا تھا۔ یورپ اس عہد کے مسیحی دماغ کی نمائندگی کرتا تھا، مشرق وسطیٰ مسلمانوں کے دماغ کی، اور دونوں کی مقابلہ حالت سے اسکی متفاونہ عتیں آشکارا ہو گئی تھیں۔ یورپ مذہب کے مجنونانہ جوش کا علم برادر تھا، مسلمان علم و دانش کے علمبردار تھے۔ یورپ دعاوں کے ہتھیار سے لڑنا چاہتا تھا مسلمان لو ہے اور آگ کے ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ یورپ کا اعتماد صرف خدا کی مدد پر تھا۔ مسلمانوں کا خدا کی مدد پر بھی تھا لیکن خدا کے پیدا کیے ہوئے سروسامان پر بھی تھا۔ ایک صرف روحانی قوت کا معتقد تھا و سر ارواحانی اور مادی عمل کے ظہور کا۔ مجزے ظاہر نہیں ہوئے لیکن نتائج عمل نے ظاہر ہو کر فتح و شکست کا فیصلہ کر دیا۔ ژواں ویل کی سرگزشت میں بھی یہ متفاونہ مقابلہ ہر جگہ نمایاں ہے۔ جب مصری فوج نے منجیقوں (Petrays) کے ذریعہ آگ کے بانچنے کے شروع کیے تو فرانسیسی جنکے پاس پُرانے دستی ہتھیاروں کے سوا اور کچھ نہ تھا، بالکل بے بس ہو گئے۔ ژواں ویل اس سلسلے میں لکھتا ہے،“

”ایک رات جب ہم ان برجیوں پر جو دیا کے راستے کی حفاظت کیلئے بنائی گئی تھیں، پہرہ دے رہے تھے، تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایک انجمن جسے پڑیری (یعنی منجیق) کہتے ہیں، لا کر نصب کر دیا اور اس سے ہم پر آگ پھینکنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر میرے لارڈ والٹرنے جو ایک اچھا نائٹ تھا، ہمیں یوں مخاطب کیا۔ ”اس وقت ہماری زندگی کا سب سے بڑا خطرہ پیش آگیا ہے کیونکہ اگر ہم نے ان برجیوں کو نہ چھوڑا اور مسلمانوں نے ان میں آگ لگادی تو ہم بھی برجیوں کے ساتھ جل کر خاک ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ہم برجیوں کو چھوڑ کر نکل جاتے ہیں تو پھر ہماری بے عزتی میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ ہم انکی حفاظت پر مامور کیے گئے ہیں۔ ایسی حالت میں خدا کے سوا کوئی نہیں جو ہمارا بچاؤ کر سکے۔ میرا مشورہ آپ سب لوگوں کو یہ ہے کہ جو نہیں مسلمان آگ کے بانچلائیں، ہمیں چاہیے کہ گھٹنے کے بل جھک جائیں اور اپنے نجات دہنہ خداوند سے دعا نکلیں کہ اس مصیبت میں ہماری مدد کرے۔ ”چنانچہ ہم سب نے ایسا ہی کیا۔ جیسے ہی مسلمانوں کا پہلا بانچلا، ہم گھٹنوں کے بل جھک گئے اور دعائیں مشغول ہو گئے۔ یہ بان اتنے بڑے ہوتے تھے، جیسے شراب کے پیپے اور آگ کا شعلہ جوان سے نکلتا تھا، اسکی دُم اتنی لمبی ہوتی تھی جیسے ایک بہت بڑا نیزہ۔ جب یہ آتا تو ایسی آواز نکلتی جیسے بادل گرج رہے ہوں۔ اسکی شکل ایسی دکھائی دیتی تھی جیسے ایک آتشیں اڑ دیا ہوا میں اڑ رہا ہے۔ اسکی روشنی نہایت تیز تھی۔ چھاؤنی کے تمام حصے اس طرح اجائے میں آ جاتے جیسے دن نکل آیا ہو۔ اسکے بعد خود لوگوں کی نسبت لکھتا ہے۔ ”ہر مرتبہ جب بان چھوٹنے کی آواز ہمارا ولی صفت با دشہ سننا تھا، تو بستر سے اٹھ کھڑا ہوتا تھا اور روتے ہوئے ہاتھ اٹھا اٹھا کر ہمارے نجات دہنہ سے التجائیں کرتا۔ مہربان مولیٰ میرے آدمیوں کی حفاظت کر! میں یقین کرتا ہوں کہ ہمارے بادشاہ کی ان دعاوں نے ہمیں ضرور فائدہ پہنچایا،“ لیکن فائدہ کا یہ یقین خوش اعتمادانہ و ہم سے زیادہ نہ تھا کیونکہ بالآخر کوئی دعا بھی سودمند نہ ہوئی اور آگ کے بانوں نے تمام برجیوں کو جلا کر کا کسٹر کر دیا،“ مسلمان مکمل طور پر فتح ٹھہرے۔ (صفہ 160-159)

مگر اسکے بعد مسلمان علم تحقیق کی دنیا سے نکل کر تقیید کے میدان میں داخل ہو گئے۔ آزاد لکھتے ہیں۔ ”یہ حال تو تیرھویں صدی مسیحی کا تھا۔ لیکن چند صدیوں کے بعد جب پھر یورپ اور مشرق کا مقابلہ ہوا، تو اب صورت حال یکسر اُٹ پچکی تھی۔ اب بھی دونوں جماعتوں

کے متصاد خصائص اسی طرح نمایاں تھے، جس طرح صلیبی جنگ کے عہد میں رہے تھے۔ لیکن اتنی تبدیلی کے ساتھ کہ جو دماغی جگہ پہلے یورپ کی تھی وہ اب مسلمانوں کی ہو گئی تھی اور جو جگہ مسلمانوں کی تھی، اسے اب یورپ نے اختیار کر لیا تھا۔ اٹھارویں صدی کے اوخر میں نپولین نے مصر پر حملہ کیا تو مراد بک نے جامع از ہر کے علماء کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ علمائے از ہرنے بالاتفاق یہ رائے دی تھی کہ جامع از ہر میں صحیح بخاری کا ختم شروع کر دینا چاہیے کہ انجام مقاصد کیلئے تیر بہدف ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن ابھی صحیح بخاری کا ختم، ختم نہیں ہوا تھا کہ اہرام کی لڑائی نے مصری حکومت کا خاتمه کر دیا۔ شیخ عبدالرحمٰن الجبرتی نے اس عہد کے چشم دید حالات قلم بند کیے ہیں اور بڑے ہی عبرت انگیز ہیں۔ بالکل اسی طرح، انیسویں صدی کے اوائل میں جب روسیوں نے بخارا کا محاصرہ کیا تھا تو امیر بخارا نے حکم دیا کہ تمام مدرسون اور مسجدوں میں ختم خواجگان پڑھا جائے۔ ادھر روسیوں کی قلعہ شکن تو پیش شہر کا حصار منہدم کر رہی تھیں ادھر لوگ ختم خواجگان کے حلقوں میں بیٹھے، یا مُقْلِب القُوَّب یا مُجُول الاحوال، کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ بالآخر وہی نتیجہ نکلا جو ایک ایسے مقابلہ کا نکلناتھا، جس میں ایک طرف گولہ بارود ہو، دوسری طرف ختم خواجگان! دعا میں ضرور فائدہ پہنچاتی ہیں مگر انہی کو پہنچاتی جو عزم وہمت رکھتے ہیں، بے ہمتون کیلئے تو وہ ترک عمل اور تعطیل قوی کا حیلہ بن جاتی ہیں۔ (صفحہ 161)

اسلام بنیادی طور پر عمل کا دین ہے۔ اس انقلابی مذہب کو اپناتے ہوئے مسلمانوں نے پوری دنیا پر غلبہ حاصل کر لیا۔ تو ہم پرستی، کامیابی جمع خرچ سے بالاتر ہو کر خدا اور اسکے نبی کا پیغام پورے کرہ ارض پر پھیلا دیا۔ ماضی کی سُپر پاورز، روم اور فارس کو روشن کر کر ڈالا۔ مگر اسکے بعد ہم لوگوں نے مذہب کو تقلید اور وظائف کا دین بنادیا۔ موجودہ وباء آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہے۔ خدارا سوچیے کہ آج کرونا وائرس کی تحقیق میں ہمارا کیا رول ہے اور مغربی دنیا کس جانشناختی سے سائننس اور جدید علوم کو مد نظر رکھتے ہوئے اسکا علاج دریافت کرنے کیلئے کتنی عظیم جدوجہد میں مشغول ہے۔ خدارا، دین کی اساس کو اپناتے ہوئے، سائننس، جدید علوم اور تحقیق کو اپنا روزمرہ کا وظیرہ بنائیے۔ شاہد ہماری تزریق کا سفر رُک جائے۔ یا ختم ہی ہو جائے۔ پرمچھے تو یہ سب کچھ خواب سالگتا ہے۔ ہمیں گہری نیند سلا دیا گیا ہے۔ مسلمان آنکھیں کھول کر سوئے ہوئے ہیں۔ ہمارا مجموعی طور پر کوئی مستقبل نہیں ہے!

راوی منظر حیات